مولانا محمد حنیف ندوی

قرآنی سورتوں کی زمانی و مکانی تقسیم

قرآنِ حکیم کی فیض رسانیوں نے کن کن میں علوم و معارف کی پرورش کی ہے ان کا استیعاب تو ممکن نہیں۔ البتہ اس کا ہلکا سا اندازہ اشبیلیہ کے بہت بڑے فقیہ و عالم قاضی ابوبکر بن احمد کی اس عبارت سے لگایئے:

ان علوم القرآن خمسون علماً و اربعمائة و سبعة آلاف و سبعون الف علم[1]

علوم قرآنی کا دائرہ پچاس سے لے کر چار صد، سات ہزار، اور ستر ہزار تک پھیلا ہوا ہے۔

تعداد کی اس کثرت کو مبالغہ آرائی پر محمول نہ سمجھنا چاہیے کیونکہ یہاں علم سے مراد اصطلاحی علم نہیں بلکہ علم و ادراک کے وہ تمام نکات ہیں، جو سور، آیات اور الفاظ کی تشریح و تفسیر کے سلسلہ میں قاری کے قلب و ذہن میں ابھرتے اور ایک طرح کی روشنی اور جلا بخشتے ہیں۔ ان نکات کو لسانی، دینی، فقہی، اصولی اور تاریخی اور نفسیاتی اعتبار سے متعدد خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور پھر ان خانوں کو متعدد شعبوں اور شاخوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ اس لحاظ سے غور کیجیے تو ان کی تعداد واقعی ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے۔ انہی علوم میں ایک جلیل القدر علم یہ ہے کہ قرآن حکیم کی مکانی و زمانی تقسیم کے بارہ میں غور کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ کون سورت کب اور کہاں نازل ہوئی۔

بات یہ ہے کہ قرآن حکیم وہ پہلی کتاب ہے جو اقساط و حصص کی صورت میں نازل ہوئی اور جس کا نزول زمانہ کے اعتبار سے تئیس سال کے طویل عرصہ پر پھیلا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کفارِ عرب کو اس صورتِ حال پر اچنبھے کا اظہار ہوا:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً[2]

---

[1] ابن العربی کا پورا نام ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ المعافری ہے ۵۴۳ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ مذکورہ عبارت کے لیے دیکھیے۔ برہان، ج ۱، ص ۷۔

[2] الفرقان ۳۲:

اور کافر کہتے ہیں اس پر قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا۔

گزشتہ انبیا سے متعلق روایت یہ چلی آرہی تھی کہ جن نوشتوں سے انھیں نوازا جائے ان کا نزول یک بارگی اور ایک ساتھ ہو۔ قرآنِ حکیم نے بتدریج یا حصص کی شکل میں نازل ہونے کی نئی روایت قائم کی اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ پیغمبر کے قلب و ضمیر کے تثبت کی خاطر یہ ضروری تھا کہ اس کی تنزیل یک مشت نہ ہو بلکہ مراحل اور زمان و مکان کی مناسبتوں سے حصص و احزاب کی صورت میں ہو۔ یعنی ایک طرف تو یہ کتاب اپنی تمام معنی آفرینیوں اور گہرائیوں کے ساتھ آنحضرتؐ کے فکر و شعور کا ناقابلِ فراموش جز بنے:

سنقرئك فلا تنسىٰ [۳]

ہم تمھیں پڑھاتے ہیں، سو تم فراموش نہیں کروگے۔

اور دوسری طرف یہ معلوم کرکے ان کو دل جمعی حاصل ہو کہ جس پس منظر، حالات اور نفسیاتی کیفیات کے پیشِ نظر آیات کا نزول ہوا ہے اس میں کامیابی کی رفتار تسلی بخش ہے۔ قرآن چونکہ کتابِ فطرت ہے اور فطرت کے نظام میں تدریج و ارتقا کا قانون رائج اور کارفرما ہے، اس لیے یہ قدرتی بات تھی کہ تبلیغ و اشاعت کے سلسلہ میں اس کے نزول میں اس ہمہ گیر قانون کو خصوصیت سے ملحوظ و مرعی رکھا جاتا۔ اس ضمن میں کفارِ مکہ کا استعجاب اس لیے بے معنی تھا کہ ان قوموں کے اجتماعی حالات جن کی طرف زبور، تورات اور انجیل کو ایک ساتھ نازل کیا گیا، ایسے تھے جو کہ عنایت الٰہی کی ارزانیوں کے فوری اجراء کے متقاضی تھے۔ مزید برآں ان کتابوں کے مخاطبین بہرحال مخصوص گروہ تھے۔ اس لیے ان سے وحی و الہام کا معاملہ بھی مخصوص نوعیت کا تھا اور قرآن کے مخاطبین کا حلقہ چونکہ غیر محدود اور پوری نوعِ انسانی تک وسیع ہے اور قیامت تک کے لیے ہے، اس لیے ضروری تھا کہ اس کے نزول کے ساتھ ساتھ ایسے پاکیزہ، اونچے اور بلند تر معاشرہ کی تشکیل کا کام بھی جاری رہے جو اس پر پوری طرح عمل پیرا ہو اور اس کے مشمولات کی مکمل عملی تفسیر ہو۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ قرآنِ حکیم کے فہم و ادراک کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ سور کی زمانی و مکانی تقسیم

---

[۳] اعلیٰ : ۶

کو پہچانا جائے تاکہ وہ پس منظر فکر و نظر کے سامنے رہے جس میں کسی خاص سورت کا نزول ہوا۔

اس پہلو کو خصوصیت سے اجاگر کرنے میں جہاں قرآن حکیم کے احسانات اور فیوض کا دخل ہے وہاں ان کوششوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ جو حفظ و فہم قرآن کے سلسلہ میں صحابۂ کرامؓ اور تابعین علما نے انجام دیں۔ قرآنِ حکیم کی سور و آیات کے مواقع نزول کے بارہ میں حبر امت حضرت ابن عباسؓ اور علی مرتضیٰؓ کا دعویٰ تھا کہ ان کو یہ سب کچھ بخوبی معلوم ہے کہ کون سورت و آیت کب اور کن حالات میں نازل ہوئی اور اس پس منظر میں اس کے کیا معنی ہیں۔ کم وبیش یہی حال ان کے علاوہ ان دوسرے صحابہؓ کا تھا جنھوں نے قرآن کے تفسیری پہلو کو وقتاً فوقتاً واضح کیا۔ زمانی تقسیم سے مراد وہ آیات اور سورتیں ہیں جو ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد نازل ہوئیں مکانی اعتبار سے یہ مکّی اور مدنی سورتوں کے نام سے مشہور ہیں۔ لیکن یہ تقسیم دو ٹوک نہیں۔ کیونکہ مکّی سورتوں میں کچھ مدنی آیات اور مدنی سورتوں میں کچھ مکّی آیات کا تداخل صحیح روایات واحادیث سے ثابت ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس صورت میں دونوں میں فرق و امتیاز کے حدود کا تعین کیسے کیا جائے۔

اس سوال سے انیسویں صدی عیسوی کے نصف میں ولیم میور (WILLIAM MUIR) ویل (WIEL) اور راڈویل (ROOWELL) نے خاصی دلچسپی کا اظہار کیا ہے اور ان تمام پیمانوں کا تفصیلی جائزہ لیا ہے، جن سے ان کے تعین میں مدد مل سکتی ہے۔ بظاہر ان کی یہ کوشش خالص علمی نوعیت کی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو ان کے جذبہ استشراق کے تحت وہ تمام شکوک وشبہات صاف جھلکتے ہوئے نظر آئیں گے جن کو یہ اسلامی حلقوں میں پھیلانے کے خواہش مند ہیں۔ یہ اس بحث سے یہ بات ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آیات کی تقسیم کا یہ اسلوب بنیاداً قطعی اور واضح نہیں۔ مستشرقین اپنے اس ارادہ میں اس لیے کامیاب نہیں ہو سکتے کہ خود اسلامی حلقوں میں یہ دعویٰ نہیں کیا جاتا کہ ہر آیت کے تعین کے بارہ میں جن پیمانوں سے کام لیا جاتا ہے وہ کلّی اور قطعی نوعیت کے ہیں اور ان میں کہیں بھی استثنا پایا نہیں جاتا۔ اس کے برعکس ان کا اپنا دعویٰ یہ ہے کہ ان میں ہر اصول اغلبی حیثیت کا حامل ہے۔ کلّی اور قطعی حیثیت کا نہیں، اس لیے کسی آیت کو مکّی یا مدنی قرار دینے کے لیے ضروری ہے کہ تمام پیمانوں سے بیک وقت روشنی حاصل کی جائے۔ یہی وجہ ہے خود علمائے تفسیر و تاویل نے ان مقامات کی نشاندہی کی ہے، جہاں کسی ایک اصول یا معیار کے

اطلاق میں استثنائی صورت پیدا ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ دوسرے قرائن اور پیمانے ایسے ہیں کہ جن سے مختلف فیہ آیت کی تعیین میں مدد مل سکتی ہے ۔ یہ کون پیمانے اور اصول ہیں جن سے آیات و سور کا مکّی و مدنی ہونا معلوم ہوتا ہے ۔ یہ مسئلہ خالصتہً اجتہادی کا ہے ۔ چنانچہ کبھی تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ تحقیق طلب سورہ میں مضامین کا اسلوب کیا ہے ۔ مثلاً اگر اس میں جہاد کا ذکر ہے، منافقین کی کیفیات ایمانی کا تجزیہ کیا گیا ہے، زکوٰۃ کی تفصیلات مذکور ہیں، حدود و فرائض کی تشریح ہے اور ان قوانین کو بیان کیا گیا ہے، جن سے ملت کے اجتماعی رشتوں کو سلجھانے میں مدد ملتی ہے، تو ہم عمومی طور پر کہہ سکیں گے کہ اس کا تعلق مدنی سور سے ہے کیونکہ یہ وہ مسائل ہیں، جو اس وقت پیش آئے جب مدینہ میں اسلامی معاشرہ تکمیل و ارتقا کے سانچوں میں ڈھل رہا تھا اور کبھی سورت کے انداز بیان اور تیور سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اس کو کس زمرہ میں شمار کیا جائے ۔ مثلاً :

۱۔ ہر سورہ جس میں "کلا" کا لفظ مذکور ہو، مکّی ہے ۔ دیرینی نے اس حقیقت کی اس طرح بیان کیا ہے :

وما نزلت کلا بیثرب فاعلمن ولم تات فی القرآن فی نصفہ الاعلیٰ

مکّی سورتوں میں "کلا" کے استعمال کی حکمت زرکشی نے یہ بیان کی ہے کہ یہ لفظ زجر و توبیخ کے موقع پر بولا جاتا ہے ۔ خصوصیت سے جب کبر و غرور کی بنا پر قائم کیے گئے خیالات و آراء کی تردید مقصود ہو تو اس وقت اس کا استعمال بہت موزوں ثابت ہوتا ہے ۔ مکہ میں چونکہ قریش میں سے ایک طبقہ جابرہ اور اکابر کا ایسا تھا جسکو اپنے مزعومہ عقائد پر بڑا گھمنڈ تھا، اس کی ضرورت تھی کہ ان کی تردید کیلئے اس قسم کے زور دار الفاظ استعمال کیے جائیں ۔[۴]

اس حکمت کو دیکھنے کیلئے مندرجہ تحت سور کے ان مقامات کو خصوصیت سے دیکھیے :

۱۔ سورہ مریم : ۷۸، ۷۹	۲۔ مومنون : ۱۰۰
۳۔ معارج : ۱۴، ۱۵، ۳۸، ۳۹	۴۔ مدثر : ۱۵، ۱۶
۵۔ قیامۃ : ۱۰، ۱۱	۶۔ عبس : ۱۰، ۱۱

---

[۴] برہان، ج ۱، ص ۳۶۹ ۔

۷- تطفیف : ۱۳، ۱۴ ۸- فجر : ۱۶، ۱۷

۹- ہمزہ : ۳، ۴ ۱۰- شعرأ : ۱۴، ۱۵

۱۱- سبا : ۲۷ ۱۲- انبیا : ۴

۱۳- انفطار : ۹ ۱۴- علق : ۶

۱۵- تکاثر : ۳ ۱۶- عم یتساءلون : ۴

۲- ہر وہ سورت جس میں تخاطب "ایھا الناس" کے الفاظ سے ہو اور یا ایھا الذین آمنوا سے نہ ہو، مکّی ہے۔

۳- وہ تمام سورتیں جن میں انبیا اور امم سابقہ کا تذکرہ ہو، مکّی ہیں۔

۴- جن سور میں آدم و ابلیس کا قصہ مذکور ہو وہ بھی مکّی ہیں۔

کچھ اور ادبی قرائن بھی ہیں جن سے مکّی سورتوں کا تعین ہو پاتا ہے۔ مثلاً جن سورتوں میں انداز بیان کی حرارت و جوش کے ساتھ ساتھ صفت ایجاز کارفرما ہے، جو اسرار دعوت پر مشتمل ہیں، جن میں مشرکین مکّہ کے عقائد و مزعومات کی تردید ہے۔ یا جن میں خطۂ عرب کے ذوق کے مطابق "اقسام" کا استعمال ہوا ہے۔ یہ سب مکّی ہیں۔

جیساکہ ہم کہہ چکے ہیں، مکّی و مدنی سورتوں کو پہچاننے کے یہ پیمانے محض عموم پر دلالت کناں ہیں۔ اس لیے کسی سورۃ و آیت کی ٹھیک تعیین کے لیے صرف انہی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان سے روشنی حاصل کرکے متنازعہ فیہ سورۃ یا آیت کے بارہ میں اجتہاد سے یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ ان میں کون کون سورت یا آیت کس زمرہ میں شامل ہونے کے لائق ہے۔ اس سلسلہ میں زیادہ موثق ذریعہ روایات وہ احادیث ہیں جن میں مواقع نزول کی خصوصیت سے تشریح کی گئی ہے اور صحابہ سے لے کر تابعین اور علمائے امت تک نے اس سے استفادہ کیا ہے۔